ڈاکٹر محمد معزالدین

پاکستانی تشخّص اور ملّی وحدت

مقالہ نگار کے زاویہ نگاہ سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جو برصغیر کے مسلمان اکابر، زعمائے کرام اور عوام کی جدوجہد آزادی کے ساتھ ساتھ سرسیدؒ کی دوربینی، علامہ اقبالؒ کی بصیرت اور قائداعظمؒ کی شاندار قیادت کی بدولت معرض وجود میں آئی ۔ یہ خطہ ارض یکسر پاکستانی قومیت کا مظہر ہے اور اسی حوالے سے تمام ملت اسلامیہ سے منسلک ہے ۔

پاکستانی قومیت کی بنیاد اسلامی ملت کے تصور پر ہی استوار ہے مسلمان خواہ کسی ملک یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اسلامی اخوت کے مضبوط رشتے سے ہی باہمدگر مربوط ہیں۔ جغرافیائی حدود، رنگ ونسل، بودوباش کے طریقوں سے قطع نظر فرزندان اسلام ہی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں اور یہی اسلامی وحدت فکر ہماری اپنی شناخت ہے ۔ یہ ایک مقدس تصور ہے جو ہمارے تمام تر افکار، اقدار اور نظریات کا محور ومرکز ہے اور اس تصور سے پاکستان کی تخلیق عمل میں آئی ۔

پاکستانی قومیت کے خدوخال کو سمجھنے کے لئے ہمیں برصغیر کی تاریخ کے ان اوراق پر نظر ڈالنی ہوگی جن میں ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا شیرازہ بکھرنے لگا اور انگریز اپنا قدم جمانے لگے اس وقت ہم میں سے کئی سرفروش حریت پسند آگے بڑھے جن میں نواب سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۱۸۵۷ء میں جنگ پلاسی

میں سراج الدولہ کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد ۱۷۹۹ء میں دکن میں ٹیپو سلطان کی شہادت سے انگریزوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ مگر مسلمان نچلے بیٹھنے والے نہ تھے یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ایمان افروز خطاب اور روح پرور افکار اور تدبر سے جہاد کی ترغیب دی اور سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے ایک انقلابی تحریک جہاد کی صورت میں پیش کی اور سرفروشی کے جذبے سے سرشار میدان میں کود پڑے مگر یہ مجاہدین اسلام انگریزوں کے جدید اسلحے اور جنگی ٹیکنیک اور اندرونی چپقلش اور پھر سکھوں سے تصادم کے سبب کمزور پڑ گئے اور ان دونوں بزرگوں نے ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش فرمایا مگر حریت اور آزادی کی جو شمع ان سرفروشوں نے جلائی تھی اور آنیوالی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنی، جن میں سندھ کے حُر اور ان کے روحانی پیشوا پیش پیش رہے جن سے مسلمانوں کی حریت پسندی اور قومی تشخص کو بڑی تقویت پہنچی۔ مسلمانوں نے اپنی بکھری ہوئی تنظیم اور منتشر قوتوں کو جمع کر کے ایک بار پھر اس بجھتے چراغ کو لو دینے کی کوشش کی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آخری کوشش کے طور پر جان کی بازی لگا دی۔ مگر اس آخری معرکے میں بھی وہ کامیاب نہ ہو سکے اور یوں مغلیہ حکومت کی شکست و ریخت کے بعد انگریز ہم پر پوری قوت اور سامراجی حیلوں کے ساتھ مسلط ہو گئے تاہم نامساعد حالات میں انگریزوں کا مقابلہ اور آزادی کی تڑپ بجائے خود ایک کارنامہ تھا جس نے کم از کم نشان راہ تو متعین کر دیا تھا۔

شکست و فتح تو قسمت سے ہے لے میر مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

اس کے تھوڑے عرصے بعد ۱۸۶۷ء میں قائم ہونے والے مدرسہ دیوبند سے مولانا محمود الحسن ان کے رفقائے کار اور ان کے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی نے جنگ آزادی کا سلسلہ اپنی خفیہ تحریکوں کے ذریعہ قائم رکھا اور یہ مجاہدین مسلم قومیت کی راہ ہموار کرتے رہے۔ گو آزادی کی یہ تحریکیں بڑھتی ہوئی سامراجی طاقتوں کے سیلاب کو نہ روک سکیں مگر انگریزوں کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے گئے۔

جب ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی داغ بیل پڑی تو سرسید علیہ الرحمہ نے صاف صاف کہدیا کہ یہ تنظیم ہندو مفاد کے پیش نظر قائم کی گئی ہے مسلمانوں کو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے ملی اور قومی تقاضے جداگانہ ہیں۔ ان کا قومی تشخص ہندوستان کے دیگر باشندوں سے الگ ہے

دراصل انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے سیاسی استحکام کے لئے اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے اس جماعت کی بنیاد رکھی تھی اور خود غرضی پر مبنی اس جماعت میں ہندو مسلمانوں کی اکثریت میں ضم ہونے سے بچ گیا۔ ہندو کانگریس کے ہمنوا بنے رہے اور سرسید ہندو اور مسلمانوں کو دو جدا قوم کہتے رہے ان کی یہ بصیرت اور بروقت حکمت عملی قابل داد ہے تاہم حالات سے سمجھوتہ کرنے اور ماحول سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور یہی تلقین کرتے رہے ایجادات وانکشافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزی تعلیم اور اپنے اخلاقی اقدار پر قائم رہتے ہوئے آگے بڑھتے رہو۔ دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلو۔ اس وقت سے دو قومی نظریئے کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور یہ بنیاد مذہب اور اسلامی معتقدات پر رکھی گئی تھی اور ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے اپنی الگ سیاسی تنظیم مسلم لیگ قائم کی۔ ان اکابر کا خیال تھا کہ جغرافیائی حدود سے نہیں بلکہ اپنے اقدار حیات اور نظریات سے قوم تشکیل پاتی ہے اور ہمارے انہیں تصورات و معتقدات کی تفسیر و تعبیر مملکت خداداد پاکستان ہے۔ اور یہی پاکستانی قومیت یا پاکستانیت ہماری پہنچان ہے جس کی واضح صورت علامہ اقبالؒ کے ۱۹۳۰ء کے مسلم لیگ کے سالانہ خطبہ الہ آباد سے سامنے آئی جس میں علامہ نے مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی اکثریتی مسلم آبادی پر مشتمل علاقوں میں ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ پیش کیا تاکہ مسلمان اپنی دینی اقدار کے مطابق آزاد مسلم ریاست قائم کرسکیں۔ یہ خطبہ الہ آباد تاریخ پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو آگے چل کر پاکستان کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

بعد ازاں اکتوبر ۱۹۳۸ء میں سندھ مسلم لیگ کے اجلاس میں ملک کی تقسیم اور شمالی مغربی صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم کرنے کی تجویز منظور کی گئی۔ اس دوران ہندوؤں کی شعلہ نفسی اور ان کے برہمنی انداز فکر اور مسلمانوں کے ساتھ ناروا سلوک نے مسلمانوں کو اپنی الگ مملکت قائم کرنے پر مجبور کردیا۔

۱۹۴۰ء میں کل ہند مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قائداعظم کی سرپرستی اور قیادت میں تاریخ قرارداد منظور ہوا۔ تحریک پاکستان نے اس کے بعد زور پکڑ لیا اور نہایت جوش و خروش کے ساتھ پاکستان کا مطالبہ شروع ہوا اور بالآخر ہندوؤں اور انگریزوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ مسلمان اپنا الگ قومی تشخص رکھتے ہیں اور نتیجے کے طور پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی آزاد اسلامی مملکت

معرض وجود میں آئی۔ اس طرح دو قومی نظریہ جو برسوں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نزاعی مسئلہ بنا رہا آخر کار درست ثابت ہوگیا۔ گو مسلم اقلیتی صوبوں کو ورغلایا گیا کہاں میں ان کا مفاد نہیں اور چند مسلمان سیاسی رہنما بھی ہمارے ساتھ نہ تھے، مگر مسلمان آپس میں متحد تھے اور آگ و خون کے دریا سے گذر کر اپنی علیحدہ مملکت بنوالی۔ حصول پاکستان ہمارے اسی دو قومی نظریے کی تکمیل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خطبہ الہ آباد میں واشگاف انداز میں کہا تھا کہ ہمیں ہندوستان کی دوسری قوموں سے کوئی تعرض نہیں مگر یہ بات تسلیم کرنی پڑے کہ مذہب کو فرد اور ریاست میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے مسلمان اپنے مذہبی نصب العین کو اس کے معاشرتی نظام سے الگ کوئی چیز نہیں سمجھتے یہ ہماری زندگی سے اس طرح پیوستہ ہیں جس طرح درخت کی شاخیں اپنے شجر سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ اسلامی نظریہ حیات ہماری تحریک آزادی کا جزو لاینفک قرار پایا تھا جسے علامہ اقبالؒ نے نہایت بلیغ انداز میں اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

علامہ اقبال سے پہلے دیگر اکابر مثلاً سرسید، عبدالحلیم شرر، مولانا محمد علی، خیری برادران، سید عبداللطیف نے بھی دو قومی نظریے کی آواز اٹھائی، مولانا محمد علی جوہر نے ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا کی تجویز پیش کی تھی مگر علامہ اقبال نے بہ بانگ دہل یہ آواز بلند کی اور میر کارواں کے طور پر علامہ اقبال کے افکار کو قائداعظم نے عملی جامہ پہنایا، اور ہمیں خودشناسی اور خوداعتمادی کا جوہر عطا کیا قائداعظم نے اپنی ولولہ انگیز قیادت سے ہمارے دلوں کو گرمایا اور پھر تو قوم کے بچے بچے کی زبان سے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ اس وقت برصغیر کے کسی بھی علاقے نے یہ نہ سوچا کہ ہم سندھی ہیں، ہم پنجابی ہیں، ہم بلوچی ہیں، ہم پٹھان ہیں، کشمیر سے لے کر بنگال، آسام، بہار، یوپی، مدراس ہر جگہ کے مسلمان بلالحاظ زبان اور علاقہ اس کارزار آزادی میں ہلالی جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے اور اس دشوار اور پرپیچ راہ میں ہزاروں سنگلاخ گھاٹیوں اور پرخار وادیوں سے گذر کر آگ کے دریا سے گذرے اور آج ہم ان کے ایثار اور قربانیوں کی

بدولت پاکستان کی آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ اس چمن کی آبیاری، شادابی، خوش حالی اور استحکام میں ہماری آیندہ زندگی کی خوشحالی اور شادمانی کا انحصار ہے ہمارے باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و یگانگت اور قومی ہم آہنگی میں ہماری بقا کا راز ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

یاد رہے کہ پاکستان ایک منزل مقصود نہیں، خود قائداعظم نے پاکستان بن جانے کے بعد ایک موقع پر فرمایا تھا کہ "پاکستان کا حصول ہماری آخری منزل نہیں بلکہ اعلیٰ منزل کی طرف سفر کا نقطہ آغاز ہے"۔ مگر افسوس کہ ہم راہ روانِ شوق آج آسودہ حال ہو گئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک مقام پر آکر ٹھہر گئی ہے۔ اور اب نہ ہم میں وہ ولولۂ تازہ ہے نہ موج حوادث سے ٹکرانے کی خواہش، ہم ساحل سے دریا کی طغیانیوں کا نظارہ کر رہے ہیں۔

علامہ اقبال نے ملت یا قوم کے باہمی جذب کو تاروں کی زندگی سے تشبیہہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

اسی طرح قوم کو شجر اور افراد کو اس کی شاخوں سے مثال دیتے ہوئے ہمیں باہمی ربط و ضبط کی تلقین کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ہم میں اگر یہ جذب باہمی نہ ہو اور افتراق، منافقت، تعصب، تنگ نظری اور ریشہ دوانیوں کا بازار گرم رہا تو پاکستان کی فضا مسموم ہو جائے گی، بھائی بھائی کا دشمن ہو گا" قیامت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکار ہے، اگر ہم نے اپنے آپ کو نہ سنبھالا تو شیطانی اور طاغوتی ملک دشمن عناصر ہم پر غلبہ پالیں گے اور ہماری یہ آزادی خطرے میں پڑ جائے اگر ہم نے یگانگت، مفاہمت، بھائی چارے اور اتحاد و اتفاق کی فضا قائم رکھی تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، انہیں آنکھ دکھانے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ

اس وقت ہم مصلحت کوشی اور فتنہ پردازی کے دام میں گرفتار ہیں اور چند ملک دشمن افراد شرپسندوں کو اپنی مجرمانہ غفلتوں سے دعوت تخریب کاری دے رہے ہیں اور انہیں راز درون خانہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔ اور صورت حال یہ ہے کہ

بوئے گل لے گئی بیرون چمن رازِ چمن کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن (اقبالؔ)

قائداعظم نے ہمیں محبت و اخوت کا جو پیغام دیا تھا اسے ہم فراموش کرتے جا رہے۔ آپ نے ہم سے استفسار کرتے ہوئے کہا تھا کہ " وہ کون سا رشتہ ہے جس میں پروئے جانے والے تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے ؟ وہ کون سا لنگر ہے، جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر، خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب ایک امت"

ہمیں خود اپنا اپنا احتساب کرنا ہے کہ کیا ہم فرمودات قائداعظم اور ارشادات اقبال پر کاربند ہیں اگر نہیں تو آج ہمیں از سر نو تجدید عہد کرنا چاہیئے کہ ہم ان اکابر کے بتائے ہوئے زریں اصولوں پر کاربند ہوں گے اور پاکستان کا علم بلند کرتے ہوئے اتحاد و یگانگت کی نئی منزل کی تلاش میں از سر نو سرگرداں ہوں گے۔

دنیائے اسلام میں اگر ہم سربلند اور سرخرو ہو سکتے ہیں تو اپنے اسی فکری انقلاب کی وجہ سے پاکستانی قومیت اور ثقافت ایک جاندار ثقافت ہے جو اسلام کی ہمہ گیر ثقافت کا پرتو ہے پاکستانی ثقافت صوبہ سرحد کی صلابت، پنجاب کی حرارت اور گرمیٔ عمل، سندھ کی نرم خوئی اور اس کا روحانی تقدس اور بلوچستان کی کوہستانی شکوہ اور شاہینی صفات سے عبارت ہے۔

" ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی"

بے شک ہمارے بعض قومی مسائل بھی ہیں اور علاقائی مسائل بھی درپیش ہیں مگر زندگی تو انہیں مسئلوں اور مصائب کا نام ہے ہمیں ان مسائل کو اس تاریخی مناظر اور اقتصادی اور نفسیاتی عوامل کے پیش نظر حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ نہ کہ ایک دوسرے پر الزام تراشی کا دفتر کھول

کر بیٹھ جائیں اور ان سے متصادم ہوں، یقیناً ہماری کچھ محرومیاں بھی ہیں اور کچھ مایوسیاں اور مجبوریاں بھی، کچھ اندرونی خلفشار بھی اور کچھ بیرونی دباؤ بھی مگر انسان دوستی کے جذبے اور خلوص کے ساتھ ان کا تدارک کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک کے چپے چپے سے باہمی اخوت کی خوش الحانی سنائی دینے لگے۔ یہاں اپنے اہل نظر اور اہل دل سے ہی سبق لینا چاہیئے۔ پاکستانی قوم کے اسلاف میں شاہ عبدالطیف بھٹائی کی انسان دوستی کی شاعری، خوشحال خان خٹک کا تیغ و تفنگ کی یورش کے ساتھ محبت بھرا کلام، رحمٰن بابا اور جام درک کے مل نغمے، علامہ اقبالؔ کی ولولہ انگیز شاعری، قائداعظم کی بے داغ سیاست، ان کے زریں اقوال، ایمان اتحاد اور نظم و ضبط کو ہمیں حرز جاں بنانا چاہیئے۔ آج ہمیں پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لئے اسی جذبے سے سرشار ہو کر کام کرنا ہوگا جس ولولے کے ساتھ حالات کی دشواری کے باوجود دشمنوں سے پاکستان منوالیا تھا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بزرگان سلف کے کارناموں کو جو ہماری میراث ہیں۔ سامنے رکھتے ہوئے اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثے کو نوجوان نسل منتقل کر دیں ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی لغت میں مایوسی نہیں ہم" لا تقنطوا من رحمۃ اللہ" کے وارث ہیں۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفاں ہے امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

آج ہم بحمد اللہ پاکستان اور دنیائے اسلام میں مذہبی احساسات اور معتقدات کی تشکیل نو سے جہانِ تازہ کی نمود کے لئے سرگرم عمل ہیں ہم اس آزاد مملکت خداداد کو صحیح معنوں میں دین اسلام کی جولان گاہ بنا دیں۔ ہمیں فقط اپنا انداز فکر بدلنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی اداروں میں فکری انقلاب قومی یکجہتی، صلح و آشتی، ایثار و ایقان کی فضاء پیدا کرنےکی ذمہ داری ہمارے اساتذہ کرام پر ہے، اور صحیح تربیت والدین کا فرض ہے اور فکر و نظر میں اسلامی اقدار کی فراوانی پیدا کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ ہمارے سیاسی رہنما نوجوانوں میں صحیح اور صالح سیاسی شعور پیدا کر کے ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ایثار اور قربانی ہمارا شعار ہونا چاہیئے۔ قوم بنتے بنتے بنتی ہے۔ پاکستانی قوم کا مستقبل تابندہ و درخشاں ہے، ہم شاندار ماضی کے امین ہیں، ہم عظیم روایات کے حامل ہیں، پاکستان ہماری برسوں کی ریاضت اور کد و کاوش اور قربانیوں کا ثمرہ ہے ہمیں اپنی تعلیم، اپنی معیشت اور اپنی سیاست کا قبلہ راست کرنا ہوگا

ورنہ ہماری کھکلاہی ہماری ترقی و خوش حالی کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہو جائیں گی۔

نئی پود کے ذہنی اضطراب و خلفشار کو سمجھنے اور اس کو دور کرنے کے لئے عصری میلانات، رجحانات و افکار کی روشنی میں اسلام اور قرآنی تعلیمات سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

عالم اسلام کے اتحاد و اخوت کے لئے ہم جس جذبے اور لگن سے کام کر رہے ہیں ان کا اعتراف ہمارے دشمن بھی کر رہے ہیں ہماری اسی اولوالعزمی اور جذبے سے وہ خائف ہیں ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو خدا کی حاکمیت کے تابع رکھتے ہوئے تزئین و تہذیب کی اشد ضرورت ہے جو دوسروں کے لئے نمونہ بن سکے کیونکہ ہم نے پاکستان محض معاشی طور پر آزاد ہونے کے لئے نہیں بنایا تھا۔

ہماری اپنی غفلت سے پاکستان کا ایک اہم حصہ ہم سے جدا ہو گیا۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، افسوس اس کا ہے کہ ہمارے دل سے احساس زیاں بھی جاتا رہا۔ ہمارے دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ پاکستان کا دو قومی نظریہ غلط تھا۔ یہ درست نہیں ہم نے خود اس عہد کی تکذیب کی ہے جو حصول پاکستان کے مراحل میں خداوند تبارک و تعالیٰ سے کیا تھا جب ہم اپنے نظریئے سے دور ہٹنے لگے تو ہمیں قدرت کی طرف سے ایک تازیانہ لگا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

اگرچہ بت ہیں جماعت کے آستینوں میں مجھے ہے حکم اذاں لآالٰہ الا اللہ

ہم پاکستان ہیں، قوس و قزح کی طرح مختلف رنگوں کی آمیزش سے ہم دیدۂ و دل کو فرحت کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھنے کے لئے دیدہ دل کو فرش راہ کرنا ہوگا۔ اس تنوع میں وحدت کی جلوہ سامانی پیدا کرنی ہوگی، اسی وحدت کا نام وحدت ملی ہے اس فکری ہم آہنگی کو عملی صورت پیدا کرنی ہوگی۔ اگر ہم کوتاہ نظری، ذہنی افتراق اور فکری انتشار کے جال میں پھنس گئے، تو بقول اقبالؒ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف